24

نظام جماعت سے حقیقی فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ افراد اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی اصلاح کریں

خلیفۂ وقت کے مقرر کردہ عہدیداروں کی اطاعت بھی ضروری ہے

(فرمودہ 13 ستمبر 1940ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''نظام جہاں اپنے اندر بہت سی برکات رکھتا ہے اور دینی و دنیوی ترقیات کے لئے ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ وہاں اس میں بہت سی پیچیدگیاں بھی ہوتی ہیں اور جتنا نظام بڑھتا چلا جاتا ہے اتنی ہی اس میں پیچیدگیاں بھی بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں جتنی کوئی چیز منفرد اور اکیلی ہو اتنی ہی وہ سادہ ہوتی ہے۔ پس جہاں نظام کے ذریعہ قوموں اور مذہبوں کو فوائد پہنچتے ہیں وہاں اس کی وجہ سے بعض دفعہ غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور جو لوگ نظام سے سچا فائدہ اٹھانا چاہیں ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان غلطیوں کی اصلاح کریں اور اصلاح کرتے چلے جائیں۔ اگر ان غلطیوں کی وہ اصلاح نہ کریں تو آہستہ آہستہ وہی نظام جو نہایت مفید ہوتا ہے کسی وقت لوگوں کے لئے عذاب بن جاتا ہے۔ یہ جو آجکل ڈکٹیٹر شپ نازی ازم اور فیسی ازم رائج ہیں یہ بھی نظام کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ یہ جو کمیونزم اور بالشوزم کہلاتے ہیں یہ بھی نظام کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ ہیں وہ نظام ہی

لیکن ان کی کَل ٹیڑھی چل گئی اور کَل کے بگڑ جانے کی وجہ سے ان میں ایسی خرابیاں پیدا ہو گئیں کہ وہ دنیا کے لئے مصیبت اور عذاب بن گئے۔ اسلام نے بھی ایک نظام قائم کیا ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ نہایت ہی اعلیٰ نظام ہے مگر جس طرح باقی نظام پیچیدہ ہیں ویسے ہی وہ بھی پیچیدہ ہے۔ چنانچہ مسلّمہ میں سے ہی وہ ایک گروہ کو اٹھاتا ہے اور اسے اٹھا کر دوسروں کے لئے ان کی اطاعت واجب کر دیتا ہے۔ بعض لوگ غلط فہمی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف خلیفہ ہی واجب الاطاعت ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے صاف طور پر ایسا نظام بتایا ہے جس میں صرف خلیفہ ہی نہیں بلکہ خلیفہ کے مقرر کردہ عہدیدار بھی واجب الاطاعت ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ 1 اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ کئے گئے ہیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کے بعد اُولِی الْاَمْر کی۔ مگر اس کے معنے یہ بھی ہیں بلکہ قریب ترین معنے یہی ہیں کہ تم اللہ کی اطاعت کرو، تم رسول کی اطاعت کرو اور تم اس زمانہ کے اُولِی الْاَمْر کی بھی اطاعت کرو۔ گویا اللہ بھی موجود ہے، رسول بھی موجود ہے اور اُولِی الْاَمْر کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اور یہ وہ معنے ہیں جن کی قرآن کریم کی متعدد آیات سے تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً جہاں خبروں کے پھیلانے کا ذکر ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ کیوں تم ان لوگوں تک خبریں نہیں پہنچاتے جو بات کو سمجھنے کے اہل ہیں اور جن کے سپرد اس قسم کے امور کی نگرانی ہے۔ 2 تو یا وہ ایک جماعت تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھی اور لوگوں کو حکم تھا کہ بجائے پبلک میں غیر ذمہ دارانہ طور پر خبریں پھیلانے کے اسے پہنچائی جائیں۔ پس یہ آیت بتاتی ہے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو عام لوگوں سے ایک امتیاز رکھتے تھے اور لوگوں کو حکم تھا کہ وہ ضروری باتیں ان تک پہنچائیں۔ پھر ایک اور دلیل اس بات پر کہ اُولِی الْاَمْر کی اطاعت اللہ اور رسول کی موجودگی میں ہی ضروری ہے یہ ہے کہ اللہ کے بعد رسول کی اطاعت نہیں ہوتی بلکہ اس کی موجودگی میں ہی رسول کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ یہ معنے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ فوت

ہو جائے تو تم رسول کی اطاعت کرو اور رسول فوت ہو جائے تو اُولِی الْاَمْر کی اطاعت کرو بلکہ اللہ کی موجودگی میں ہی اُولِی الْاَمْر کی اطاعت اور ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے۔

ممکن ہے کوئی اعتراض کر دے کہ رسول کی اطاعت کا تو حکم ہؤا مگر خلیفہ کی اطاعت کا کہاں حکم ہے؟ سو ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ خلیفہ رسول کا قائم مقام ہوتا ہے۔ چنانچہ خلیفہ کے معنے نائب کے ہیں مگر وہ نائب اور قائم مقام اُولِی الْاَمْر کا نہیں بلکہ رسول کا ہوتا ہے۔ پس قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور جب رسول فوت ہو جائے تو تم اس کے خلیفہ کی اطاعت کرو اور اس زمانہ میں اُولِی الْاَمْر کی بھی اطاعت کرو کیونکہ کوئی نظام اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک خلیفہ کے مقرر کردہ عہدیداروں کی اطاعت لوگ اپنے لئے ضروری خیال نہ کریں۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ۔ 3 یعنی جس نے میرے مقرر کردہ حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی کیونکہ میں ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے لازماً کام کو عمدگی سے چلانے کے لئے اپنے نائب مقرر کرنے پڑیں گے اور لوگوں کے لئے ضروری ہوگا کہ ان کی اطاعت کریں۔ اگر وہ اطاعت نہیں کریں گے تو نظام ٹوٹ جائے گا۔ پس ان کی اطاعت درحقیقت میری اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی میری نافرمانی۔ تو اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ میں ایک ایسا مکمل نظام پیش کیا گیا ہے جس کے تحت ایک ہی زمانہ میں اللہ کی اطاعت بھی ضروری ہے، رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے اور اگر رسول نہ ہو تو اس کے خلیفہ کی اطاعت ضروری ہے اور اس زمانہ میں اُولِی الْاَمْر کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اللہ ایک ہے، رسول ایک ہے، خلیفہ بھی ایک ہی ہوگا لیکن اُولِی الْاَمْر کئی ہو سکتے ہیں اس لئے اُولِی الْاَمْر میں جمع کا صیغہ رکھا گیا ہے کیونکہ یہ کئی ہوں گے اور گو خلیفہ ایک ہوگا مگر اس کے تابع بہت سے عہدیدار ہوں گے۔

یہ اسلامی نظام ہے جسے قرآن کریم پیش کرتا ہے اور وہ امت محمدیہ کو حکم دیتا ہے کہ

اُولِی الْاَمْر کی اطاعت کرو لیکن اس میں بعض دفعہ ایک بگاڑ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ غلطی سے اُولِی الْاَمْر یہ خیال نہیں کرتے کہ لوگوں پر ان کی جو اطاعت فرض ہے وہ اُولِی الْاَمْر ہونے میں ہے، زید اور بکر ہونے میں نہیں، زید اور بکر ہونے میں تو رسول کی اطاعت بھی نہیں۔ یوں تو رسول کا مقام ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہی حکم دیتا ہے کہ اس کی اطاعت کرو مگر خدا نے انہیں جو حق دیا ہے وہ ہر بات میں نہیں اور نہ ہر بات میں انہوں نے کبھی اپنے حق کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ حق نہیں تھا اور نہ آپ نے کبھی ایسا دعویٰ کیا کہ کسی کی بیٹی کا اپنی مرضی سے کسی دوسرے سے نکاح کر دیں۔ اسی طرح آپ نے کبھی کسی سے نہیں کہا کہ اپنا مکان فلاں کو دے دو بلکہ آپ نے ان امور میں ان کے اختیارات کو بحال رکھا۔ چنانچہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں ایک لڑکی جو غلام تھی اور اس کا خاوند بھی غلام تھا کچھ عرصہ کے بعد آزاد ہوئی تو اسے شریعت کے ماتحت اس امر کا اختیار دیا گیا کہ چاہے تو وہ اپنے غلام خاوند کے نکاح میں رہے اور چاہے تو نہ رہے۔ اتفاق کی بات ہے بیوی کو اپنے خاوند سے شدید نفرت تھی اور ادھر خاوند کی یہ حالت تھی کہ اسے بیوی سے عشق تھا۔ جب وہ آزاد ہوئی اور غلام نہ رہی تو اس نے کہا کہ مَیں اب اس کے پاس نہیں رہ سکتی۔ خاوند کو چونکہ اس کے ساتھ شدید محبت تھی اس لئے جہاں وہ جاتی وہ پیچھے پیچھے چلا جاتا اور رونا شروع کر دیتا۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو آپ کو رحم آیا اور آپ نے اس لڑکی سے کہا کہ اگر تم اس کے پاس رہو تو تمہارا کیا حرج ہے۔ اس نے کہا یارسول اللہ یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ؟ آپ نے فرمایا مشورہ ہے حکم نہیں۔ کیونکہ اب تم آزاد ہو چکی ہو اور شریعت کی طرف سے تمہیں اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ چاہو تو تم اپنے غلام خاوند کے پاس رہو اور چاہو تو نہ رہو۔ اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! اگر یہ آپ کا مشورہ ہے تو پھر میں اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے اس سے نفرت ہے۔ 4 تو ذاتی معاملات میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کبھی دخل نہیں دیتے تھے۔

اسی طرح خلفاء نے بھی کبھی ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیا۔ خود میرے پاس کئی لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری لڑکی کا آپ جہاں چاہیں نکاح پڑھا دیں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا مگر باوجود اس کے کہ آج تک مجھے سینکڑوں لوگوں نے ایسا کہا ہو گا میں نے

کسی ایک کی بات بھی نہیں مانی۔ میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ مجھ پر کیا آگے ذمہ داریاں کم ہیں کہ اب میں اور ذمہ داریوں کو بھی اٹھالوں۔ ممکن ہے میں انتخاب میں کوئی غلطی کر جاؤں اور اس طرح قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے حضور مجھے جوابدہ ہونا پڑے۔ پس میں کیوں اس بوجھ کو برداشت کروں۔ شاید ماں باپ یہ سمجھتے ہوں کہ لڑکیوں کا نکاح کرتے وقت ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی مگر میرے نزدیک والدین پر بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے اور ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر اور دعاؤں سے کام لینے کے بعد اپنی لڑکیوں کا نکاح کیا کریں۔ اگر وہ بے احتیاطی سے کام لیں گے تو یقیناً وہ خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہوں گے۔ پس جبکہ نکاح کرانا ایک خاص ذمہ داری کا کام ہے تو بالکل ممکن ہے مجھ سے کسی کے معاملہ میں کوئی بے احتیاطی ہو جائے اور قیامت کے دن باپ تو آزاد ہو جائے اور میں اس کا جوابدہ ٹھہر جاؤں۔ پس باوجود اس کے کہ میرے زمانہ خلافت میں سینکڑوں لوگوں نے مجھے یہ کہا ہو گا کہ آپ جہاں چاہیں میری لڑکیوں کا نکاح کر دیں مجھے اس وقت ایک مثال بھی ایسی یاد نہیں جس میں مَیں نے دخل دیا ہو اور اپنی مرضی سے ان کی لڑکیوں کا کہیں نکاح کر دیا ہو۔ مَیں ہمیشہ انہیں یہی جواب دیتا ہوں کہ جب مجھے کسی رشتہ کا علم ہؤا تو آپ کو اطلاع دے دوں گا۔ آگے یہ ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ غور کر لیں کہ وہ رشتہ ان کے لئے موزون ہے یا نہیں۔ ایسے موقع پر بعض لوگ اصرار بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں میں نے اپنی لڑکیوں کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا ہے مگر میں یہی کہتا ہوں کہ میں اس کے لئے تیار نہیں۔ ہاں جب بھی مجھے رشتوں کا علم ہو گا میں لڑکے آپ کے سامنے پیش کرتا چلا جاؤں گا۔ آپ کو پسند آئیں تو لیتے جائیں اور اگر پسند نہ آئیں تو ردّ کرتے جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُولِی الْاَمْر کو جو حکومت دی ہے وہ ذاتی معاملات میں نہیں قومی معاملات میں ہے۔ رسول کو بھی اور خلیفہ کو بھی اور اُولِی الْاَمْر کو بھی یہ قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ ذاتی معاملات میں لوگوں پر رعب جتائیں۔ مثلاً مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ میں جماعت کے کسی آدمی سے یہ کہوں کہ میں چونکہ خلیفہ ہوں اس لئے تم میری نوکری کرو اور جو تنخواہ میں دوں وہ قبول کرو۔ یہ خلافت کا کام نہیں بلکہ ایک دنیوی کام ہے اور دوسرے شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو انکار کر دے۔ چاہے یہی کہے کہ

میں نوکر نہیں ہونا چاہتا اور چاہے یہ کہے کہ جو تنخواہ آپ دیتے ہیں وہ مجھے منظور نہیں۔ اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ شریعت نے ان معاملات میں اسے آزادی بخشی ہے۔ یا فرض کرو میں اپنا مکان بنانے کے لئے کسی دوست سے کوئی زمین خریدنا چاہتا ہوں تو ہر شخص کا حق ہے کہ وہ اگر چاہے تو انکار کر دے مثلاً یہی کہہ دے کہ جو قیمت آپ دینا چاہتے ہیں اس پر میں زمین فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں یا یہ کہہ دے کہ میں زمین بیچنا ہی نہیں چاہتا۔ بہرحال یہ اس کا حق ہے جسے وہ استعمال کر سکتا ہے۔ یہی حال اُولِی الْاَمْر کا ہے۔ ہماری جماعت میں بھی کچھ ناظر ہیں اور کچھ ناظروں کے ماتحت عہدیدار مقرر ہیں۔ ان ناظروں اور عُہدہ داروں کو بھی وہی محدود اختیارات حاصل ہیں جو جماعتی نظام سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں ایسے کاموں کا سوال آجائے گا جو نظام جماعت سے تعلق نہیں رکھتے وہاں اگر بعض لوگ ان کے کرنے سے انکار کر دیں تو یہ ان کا حق سمجھا جائے گا۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے پاس ایسی رپورٹیں پہنچتی رہتی ہیں کہ بعض آدمی ذاتی کام لیتے وقت اپنے عہدہ کے جتانے کے عادی ہیں اور وہ بات کرتے وقت دوسروں سے کہہ دیتے ہیں کہ تم جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں ناظر امور عامہ ہوں یا ناظر تعلیم و تربیت ہوں یا ناظر اعلیٰ ہوں یا فلاں عہدے دار ہوں۔ اس قسم کے الفاظ کا دہرانا یقیناً اس ذمہ داری کے ادا کرنے کے خلاف ہے جس کا اسلام ان سے مطالبہ کرتا ہے۔ ہر شخص جسے خدا نے بعض معاملات میں آزادی دے رکھی ہے اس کے متعلق ہم یہ حق نہیں رکھتے کہ اس کی آزادی کو سلب کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال موجود ہے۔ آپ نے ذاتی معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا۔ آپ نے بریرہ سے یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تم میری بات مان لو بلکہ فرمایا کہ یہ میرا ذاتی مشورہ ہے، اسے ماننا یا نہ ماننا تمہارے اختیار کی بات ہے۔ اسی طرح بعض سودے ہوئے جن کے متعلق آپؐ نے صحابہؓ سے یہی فرمایا کہ لوگوں سے مشورہ کر لو اور جو کچھ صحیح سمجھو اس کے مطابق کام کرو۔

تو جماعت کے ذمہ دار کارکنوں کو میں ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنے عہدے لوگوں کو ڈرانے کے لئے استعمال نہ کیا کریں۔ جو شخص کسی جھگڑے کے موقع پر یہ کہتا ہے کہ تم جانتے

ہو میں کون ہوں؟ میں ناظر امور عامہ ہوں یا ناظر تعلیم و تربیت ہوں یا ناظر اعلیٰ ہوں وہ اپنے عمل سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ نظارت کو دوسرے معاملات میں بالا سمجھتا ہے حالانکہ نظارت کا اپنا ایک محدود دائرہ ہے۔ اس دائرہ سے باہر اس کے اختیارات نہیں یا سلسلہ کا کوئی مربی اور کارکن ایسے مواقع پر اگر یہ کہتا ہے کہ تم جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں سلسلہ کا مربی ہوں یا سلسلہ کا کارکن ہوں تو وہ اپنے عہدے کا ناجائز استعمال کرتا ہے۔ مثلاً دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے ہوں تو اگر ایک ایسا شخص جسے نظام نے لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر نہیں کیا وہاں جا کر کہتا ہے کہ میں سلسلہ کا مربی ہوں یا سلسلہ کا کارکن ہوں تو اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنا عہدہ دوسروں پر رعب جتانے کے لئے استعمال کیا ہے کیونکہ مربی کا کام لوگوں کی تربیت و اصلاح کرنا ہے نہ کہ جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔ اس کا یہ ہرگز حق نہیں کہ وہ لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے یا اپنا فیصلہ لوگوں سے منوائے۔ ہاں اگر کوئی قاضی ہو تو وہ ایسا کہہ سکتا اور اپنا فیصلہ بھی اس جھگڑے کے متعلق دے سکتا ہے تو یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

پس میں جماعت کے تمام عہدیداروں کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اس بارہ میں احتیاط ملحوظ رکھیں اور عَلَی الْاِعْلَان خطبۂ جمعہ میں مَیں نے اس کا اظہار اس لئے کیا ہے تا دوسرے لوگ بھی نگران رہیں اور جب سلسلہ کے کارکنوں میں سے کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کی فوری طور پر میرے پاس رپورٹ کریں۔

میں اس بارہ میں اپنا ہی ایک واقعہ سنا دیتا ہوں جس میں میرا نام ایک موقع پر ناجائز طور پر استعمال کیا گیا تھا مگر جب مجھے معلوم ہؤا تو میں نے اس افسر کو سختی سے ڈانٹا۔ وہ واقعہ یہ ہے جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے ہم قادیان کے ارد گرد دیہات میں اپنے لئے زمینیں خریدتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ہماری طرف سے ایک زمین کا سودا ہؤا مگر ابھی یہ سودا ہو ہی رہا تھا کہ ننگل کے ایک شخص نے ہم سے زیادہ قیمت دے کر اس زمین کو خرید لینا چاہا۔ اس پر ہمارے مختار نے اسے کہا کہ تم خلیفۃ المسیح الثانی کا مقابلہ کرتے ہو یہ تمہارے لئے اچھی بات نہیں۔ مجھے جب اس بات کا علم ہؤا تو میں نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ اس میں خلیفۃ المسیح کا کیا تعلق ہے۔ یہ

سودا ''خلیفۃ المسیح'' سے نہیں بلکہ مرزا محمود سے ہو رہا تھا اور دوسرا فریق اس بات کا حق رکھتا تھا کہ اگر وہ چاہے تو سودے سے انکار کر کے کسی دوسرے سے سودا شروع کر دے۔ یہ زمیندارہ معاملہ ہے اور اس میں دوسرا شخص اختیار رکھتا ہے کہ وہ چاہے تو مان لے اور چاہے تو نہ مانے۔ اس میں خلافت یا خلیفۃ المسیح کا کوئی سوال نہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے نے خلیفۃ المسیح کا مقابلہ کیا۔ گو اخلاقی طور پر میرے نزدیک دوسرے فریق کی ہی غلطی تھی کیونکہ جب کوئی شخص سودا کر رہا ہو تو دوسرے کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیئے مگر شریعت میں چونکہ یہ بھی مسئلہ ہے کہ جب تک کچھ پیشگی رقم نہ دے دی جائے اس وقت تک سودا مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دوسرے کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو سودے سے انکار کر دے اور کسی دوسرے شخص کو زیادہ قیمت پر دے دے۔ بہر حال ہمارے ملک میں چونکہ عام طور پر لوگوں کو اپنے عہدے جتانے کی عادت ہے جیسے تحصیلدار کہہ دیا کرتے ہیں کہ تم جانتے ہو ہم کون ہیں ہم تحصیلدار ہیں یا ڈپٹی کمشنر کہہ دیا کرتے ہیں تم جانتے ہو ہم کون ہیں ہم ڈپٹی کمشنر ہیں۔ اسی طرح انہوں نے بھی دھمکی دے دی اور کہا کہ تم جانتے ہو یہ سودا خلیفۃ المسیح کر رہے ہیں۔ پس تم کسی اور سے نہیں بلکہ خلیفۃ المسیح کا مقابلہ کر رہے ہو۔ حالانکہ یہ زمین خلیفۃ المسیح نہیں بلکہ مرزا محمود احمد خرید رہا تھا اور مرزا محمود احمد کے مقابلہ میں ایسے معاملات میں ہر شخص خواہ وہ احمدی ہو یا نہ ہو اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ اگر چاہے تو انکار کر دے۔ غرض اخلاقی طور پر گو اس سے غلطی ہوئی مگر میں نے پسند نہ کیا کہ میں واقف ہو کر اس کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھا لوں۔ تو لوگ بلاوجہ اپنے عہدوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح جو عہدیدار ہیں ان کی عورتوں کے متعلق میرے پاس شکایات آتی رہتی ہیں کہ وہ بھی دوسروں پر رعب جمانا چاہتی ہیں۔ گویا جو احترام ناظر امور عامہ کو حاصل ہے وہی ناظر امور عامہ کی بیوی بھی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اور جس طرح ملکہ کو ایک حق حاصل ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی اپنا حق جتانا چاہتی ہے۔ حالانکہ ناظر امور عامہ کی بیوی کو کوئی حق نہیں کہ وہ لوگوں پر رعب جتائے۔ وہ جماعت میں محض ایک فرد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر جماعت سے لوگ اس لحاظ سے کہ اس کا خاوند قوم کا ایک خادم ہے اس کی عزت کریں تو یہ ایک اچھی بات ہے لیکن محض اس وجہ سے کہ وہ

ناظر امور عامہ کی بیوی ہے یا ناظر امور خارجہ کی بیوی ہے یا ناظر ضیافت کی بیوی ہے یا ناظر بیت المال کی بیوی ہے یا ناظر تعلیم و تربیت کی بیوی ہے یا ناظر اعلیٰ کی بیوی ہے اس کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں پر رعب جتائے۔ وہ جماعت کا ایک ویسا ہی فرد ہے جیسے کوئی معمولی سے معمولی شخص کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بعض لوگوں کو حکومت اور رتبہ دیا ہے وہ کام کے لحاظ سے دیا ہے اور ان سے تعلق رکھنے والوں کو یہ قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے رتبہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں پر اپنی حکومت جتانی شروع کر دیں۔ (الفضل 27 جولائی 1960ء)

میری جب وصیت شائع ہوئی تو بعض انگریزی اخبارات کے نمائندے مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ ان کے آنے کی بڑی غرض یہ تھی کہ وہ مجھ سے یہ کہلوانا چاہتے تھے کہ میرے بعد یا تو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب خلیفہ ہوں گے یا میرا بیٹا ناصر احمد۔ وہ بار بار ادھر ادھر کی باتیں کر کے پھر یہی سوال میرے سامنے پیش کر دیتے اور کہتے کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا؟ کیا چوہدری ظفر اللہ خان ہوں گے یا ناصر احمد؟ میں نے انہیں کہا کہ خلافت تو خدا تعالیٰ کی ایک دین ہے۔ اس میں چوہدری ظفر اللہ خان اور ناصر احمد کا ویسا ہی حق ہے جیسے ایک نو مسلم چوہڑے کا۔ میں نے انہیں کہا کہ مجھے کیا معلوم اللہ تعالیٰ میرے بعد یہ مرتبہ کس کو دے گا۔ کسی بڑے آدمی کو یا ایک معمولی اور حقیر نظر آنے والے انسان کو۔ مگر وہ دنیاداری کے لحاظ سے سمجھتے تھے کہ میرے بعد خلافت کے اہل یا تو چوہدری ظفر اللہ خان ہیں یا ناصر احمد۔ چنانچہ چکر کھا کر وہ پھر یہی سوال کر دیتے کہ اچھا تو پھر آپ کے بعد کیا صورت ہو گی؟ مگر میں انہیں یہی کہتا رہا کہ مجھے کچھ علم نہیں اللہ تعالیٰ میرے بعد یہ نعمت کس کو عطا کرے گا۔ آخر انہیں میرے جوابوں سے اتنی مایوسی ہوئی کہ انہوں نے ملاقات کا ذکر شائع کرتے وقت اس سوال کو ہی اڑا دیا۔ ایک اخبار والے نے تو میرے ساتھ اس سوال پر بڑی بحث کی اور کہا کہ آخر کچھ تو کہیں۔ میں نے کہا میں اس بارہ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ پھر میں نے انہیں بتایا کہ حضرت خلیفہ اول جب فوت ہوئے اور جماعت میں خلافت کے متعلق جھگڑا شروع ہوا تو بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید میں نے اپنی خلافت کے لئے یہ جھگڑا کھڑا کر رکھا ہے۔

میں نے اُسی وقت اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا، ان رشتہ داروں میں میرے بزرگ بھی تھے، میرے برابر کے بھی تھے اور مجھ سے چھوٹے بھی تھے۔ نانا جان صاحب مرحوم بھی موجود تھے، میرے بہنوئی نواب محمد علی خان صاحب بھی موجود تھے، اسی طرح میرے چھوٹے بھائی بھی تھے اور گھر کے دوسرے افراد بھی۔ میں نے ان سب کو جمع کر کے کہا کہ دیکھو یہ وقت ایسا نہیں کہ ہم ذاتیات کا سوال لے بیٹھیں اس وقت جو لوگ خلافت کی مخالفت کر رہے ہیں انہیں یہ وہم ہو گیا ہے کہ چونکہ خلافت سے ہم فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اس لئے ہم یہ جھگڑا پیدا کر رہے ہیں۔ یہ وہم خواہ کیسا ہی غلط اور بے بنیاد ہو ہمیں اپنے وجود سے سلسلہ میں تفریق پیدا نہیں کرنی چاہیئے اور اگر وہ اس بات پر متفق ہیں کہ کسی نہ کسی کو ضرور خلیفہ ہونا چاہیئے تو اول تو یہی مناسب ہے کہ اس کے متعلق لوگوں کی عام رائے لے لی جائے لیکن اگر انہیں اس سے اتفاق نہ ہو تو ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جیسے خواجہ کمال الدین صاحب یا مولوی محمد علی صاحب ہیں کسی ایسے آدمی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو اور اگر وہ اسے بھی نہ مانیں تو پھر ان لوگوں میں سے ہی کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے۔ میں نے اس پر اتنا زور دیا کہ میں نے اپنے رشتہ داروں سے کہا اگر آپ لوگ میری اس بات کو نہیں مانتے تو پھر میں باہر جاتا ہوں اور باہر جا کر عام لوگوں کے سامنے اپنی اس بات کو پیش کر دیتا ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب میری بات پر متفق ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اول تو یہی کوشش کرنی چاہیئے کہ دونوں فریق کسی ایسے آدمی کے ہاتھ پر اکٹھے ہوں جو واضح طور پر گزشتہ جھگڑوں میں شامل نہ ہوا ہو اور جو دونوں کے نزدیک بے تعلق ہو اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اتحاد کے خیال سے انہی لوگوں میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے۔ تو میں نے اسے کہا کہ میں نے تو حضرت خلیفہ اول کی وفات پر بھی خلیفہ کے انتخاب میں اسی حد تک دخل دیا تھا اور کسی کا نام بالتصریح نہیں لیا تھا پھر تم کس طرح سمجھ سکتے ہو کہ اب میں کسی کا نام لے لوں گا اور اس کے متعلق کہہ دوں گا کہ وہ میرے بعد خلیفہ ہو گا۔ پھر اس میں میری مرضی کا بھی سوال نہیں۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور جب خلیفہ بنانا خدا نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے تو میرا اس میں دخل دینا کیسی حماقت ہو گی۔ پھر اس نے کہا کہ کیا آپ کو یہ اختیار حاصل ہے یا نہیں کہ آپ اپنے بعد کسی کو

خلیفہ مقرر کر جائیں؟ میں نے کہا اختیار تو ہے مگر میں اس اختیار کو استعمال نہیں کرنا چاہتا اور آئندہ کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ حالات کیا صورت اختیار کریں۔ غرض ان کی ساری کوشش اسی امر پر مرکوز رہی کہ میں یا تو اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے متعلق کہہ دوں کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہو گا یا دنیوی لحاظ سے ان کی نگاہ چونکہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب پر پڑ سکتی تھی اس لئے انہوں نے سمجھا کہ اگر کوئی رشتہ دار خلیفہ نہ ہوا تو شاید وہ ہو جائیں مگر میں نے انہیں کہا کہ یہ میرا کام نہیں کہ میں انتخاب کرتا پھروں۔ یہ خدا کا کام ہے اور میں تو محض سلسلہ کے ایک خادم کے طور پر کام کر رہا ہوں۔

غرض ہم میں سے کوئی بھی نہیں جسے اس قسم کا اختیار حاصل ہو۔ ہمیں جو حکومت حاصل ہے وہ شریعت کے ماتحت اُولِی الْاَمْر ہونے کے لحاظ سے ہے۔ پس جتنا امر ہو گا اتنی ہی حکومت ہو گی اور جو شخص اس حکومت کے دائرہ کو وسیع کرے گا وہ نظام کا دشمن قرار پائے گا۔ پس عام دنیوی معاملات میں دوسروں سے یہ کہنا کہ میں ناظر امور عامہ ہوں یا ناظر اعلیٰ ہوں نظارت کے جامہ کی ہتک ہے۔ وہاں وہ ناظر نہیں بلکہ ایک فرد کی حیثیت رکھے گا اور اسے دوسروں پر کوئی تفوّق حاصل نہیں ہو گا۔ اسلام میں اس کی کئی مثالیں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ خلفاء پر دیوانی نالشیں ہوئیں اور انہیں قضاء میں جواب کے لئے بلایا گیا۔ اب فرض کرو کہ کسی کو میرے خلاف کوئی شکایت ہو مثلاً وہ کہے کہ انہوں نے میرا اتنا روپیہ دینا ہے مگر دیتے نہیں یا اتنا دیا ہے اور اتنا نہیں دیا تو اسے اس بات کا پورا حق ہے کہ وہ اگر چاہے تو قضاء میں میرے خلاف دعویٰ دائر کر دے۔ وہاں مجھے اسی طرح جواب دینا پڑے گا جس طرح ایک عام شخص قضاء کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے لیکن جہاں خدا نے مجھے کوئی حق دیا ہے وہاں وہ میرا حق چھین نہیں سکتا۔" (از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

پس جماعت کے دوستوں کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ نظام کی برکتیں اس کی پیچیدگیوں کو حل کرنے سے حاصل ہوتی ہیں ورنہ نظام کے لفظ کا اندھا دھند استعمال خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے ہمارے مختار نے ایک زمین کے معاملہ میں دوسرے سے کہہ دیا کہ تمہارا مقابلہ خلیفۃ المسیح سے ہے حالانکہ وہاں خلافت کا کوئی سوال نہ تھا بلکہ اپنی ذاتی حیثیت میں

میری طرف سے ایک سودا ہو رہا تھا اور ایسی صورت میں دوسرے فریق کا حق تھا کہ وہ اگر چاہتا تو زمین زیادہ قیمت پر دوسرے کو دے دیتا۔ اگر میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا ہوں تو میری حیثیت خلیفہ کی ہوتی ہے، اگر میں جماعت کو کوئی حکم دیتا ہوں تو میری حیثیت خلیفہ کی ہوتی ہے لیکن اگر میں اپنے لئے یا اپنے خاندان کے لئے کوئی زمین خریدتا ہوں تو اس میں میری حیثیت خلیفہ کی نہیں ہوتی اور دوسرا اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ سودے سے انکار کر دے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ترکاری بکنے لگے تو ایک طرف سے میرا آدمی ترکاری لینے کے لئے چلا جائے اور دوسری طرف سے جماعت کا کوئی اور آدمی۔ اب ایسے موقع پر اگر میرا آدمی دوسرے سے یہ کہے کہ تم ترکاری مت خریدو کیونکہ خلیفۃ المسیح یہ ترکاری لینا چاہتے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہوگی کیونکہ جیسے میرا حق ہے کہ ترکاری لوں اسی طرح اس کا حق ہے کہ وہ ترکاری لے۔ اگر وہ پہلے پہنچ جاتا ہے تو یقیناً اسی کو حق ہے۔ گو بعض دفعہ شریفانہ رنگ میں ایک دوسرے کی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اگر اس کی ضرورت زیادہ اہم ہوگی تو میرا آدمی اپنا حق چھوڑ سکتا ہے اور اگر میرے آدمی کی ضرورت زیادہ ہوگی تو دوسرا اپنا حق چھوڑ سکتا ہے۔

پس جماعت کے عہدیداروں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر چیز کو اس کی حد کے اندر رکھو۔ اگر تم اسے حد سے بڑھا دو گے تو وہ چیز خواہ کتنی ہی اعلیٰ ہو بُری بن جائے گی۔ ایک شاعر کا ایک شعر ہے جو مجھے یاد تو نہیں رہا مگر اس کا مفہوم یہ ہے کہ تِل بڑی خوبصورت چیز ہے لیکن جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو مسّا بن جاتا ہے۔ پس ہر چیز کو اس کی حد کے اندر رکھو۔ نظام کو بھی اور انفرادی معاملات کو بھی۔ اور کبھی اپنے عہدوں کا نام لے کر ذاتی معاملات میں دوسروں پر رعب نہ ڈالو۔" (الفضل 27 جولائی 1960ء)

پس جماعت کے عہدیداروں کو میں نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ رعب کا کوئی جائز طریق نہیں۔ محض ناظر ہونا تمہیں یہ حق نہیں دے دیتا کہ تم درست معاملات میں بھی لوگوں پر اپنی نظارت کا رعب ڈالو۔ رعب ناظر ہونے میں نہیں بلکہ اُولِی الْاَمْر ہونے اور شریعت کے مطابق چلنے میں ہے۔ اگر میری اس نصیحت کے بعد بھی کسی کے متعلق میرے پاس یہ

رپورٹ پہنچی کہ اس نے اپنے عہدہ کا ناجائز استعمال کیا ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا۔

اس کے بعد میں ایک اور بات کہنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک اخبار میرے سامنے پیش کیا ہے جس میں ایک شادی کے سلسلہ میں ایک احمدی عورت کے یہ الفاظ شائع ہوئے ہیں کہ اس کی مثال عائشہؓ جیسی ہے۔ میں نے وہ اخبار خود بھی پڑھا تھا اور میں محسوس کرتا تھا کہ یہ غلطی ہے مگر میں نے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ جب جماعت کے اور دوستوں کے نوٹس میں بھی یہ بات آئی اور انہوں نے اس کے متعلق مجھے بعض خطوط لکھے تو انہیں پڑھ کر مجھے یہ خیال آیا کہ جیسے دو چار آدمیوں کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہوئے ہیں ممکن ہے ایسے ہی شبہات بعض اور لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا ہوئے ہوں اس لئے ضروری ہے کہ میں اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دوں۔ اگر اخبار میں یہ بات نہ آتی تو اس کی حیثیت بالکل اور ہوتی اور ذاتی طور پر اس کی اصلاح کی جاسکتی تھی مگر اب چونکہ یہ بات اخبار میں آگئی ہے اور اخبار میں آجانے کی وجہ سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگوں کی نظروں سے یہ بات گزری ہو گی اس لئے میں اس بارہ میں کھلے طور پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ویسا ہی غلو ہے جیسے ناظر یہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ ناظر ہیں اس لئے دنیوی معاملات میں بھی وہ لوگوں کے حکمران ہیں حالانکہ ان معاملات میں وہ ویسی ہی حیثیت رکھتے ہیں جیسے جماعت کا کوئی اور فرد، چاہے وہ کیسی ہی ادنیٰ حالت کیوں نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح اس معاملہ میں بھی غلو سے کام لیا گیا ہے۔

میرے پاس سال ڈیڑھ سال ہوا یہ بات پہنچی کہ ہماری جماعت کے دو مبلغ جن میں سے ایک ریٹائرڈ ہیں اور دوسرے ابھی کام کر رہے ہیں مگر وہ دونوں ہی بڑی عمر رکھتے ہیں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ جب ان کی یہ بات لوگوں میں پھیلی تو قادیان میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا اور میرے پاس رقعوں پر رقعے آنے لگ گئے کہ بھلا بڈھے آدمیوں کو شادی کی کیا ضرورت ہے، انہیں اس بات سے روکا جائے۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ بڈھے آدمی کو تو شادی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اسے کسی ایسے مونس و غمگسار ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی خدمت کرے۔ بیوی صرف شہوانی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتی بلکہ اور بھی

بہت سے کام سرانجام دیتی ہے۔ اگر شادی صرف شہوانی ضروریات کے لئے ہی کی جاتی ہے تو کیا لوگ یہ پسند کریں گے کہ ان کی بیویاں رات کو صرف ایک گھنٹہ کے لئے ان کے پاس آجایا کریں اور پھر چلی جایا کریں۔ اگر شہوانی ضرورتوں کے لئے ہی شادی ہوتی ہے تو پھر بیوی کا مرد کے پاس رات کو صرف ایک گھنٹے کے لئے آجانا کافی ہے بلکہ وہ لوگ جن میں یہ قوت نسبتاً کم ہوتی ہے ان کے لئے تو صرف اتنا ہی کافی ہو سکتا ہے کہ ہفتہ میں ایک دفعہ بیوی ان کے پاس ایک گھنٹہ کے لئے آجائے مگر کیا کوئی بھی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی بیوی ہفتہ میں صرف ایک گھنٹہ کے لئے اس کے پاس آئے اور باقی اوقات میں اس کے پاس نہ رہے۔ اگر نہیں تو معلوم ہؤا کہ شادی صرف شہوانی ضروریات کے لئے ہی نہیں کی جاتی بلکہ اس کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی جب کوئی شخص شادی کا خواہشمند ہو تو یہ نہیں کہا کرتا کہ شہوانی ضرورت کے لئے میں شادی کرنا چاہتا ہوں بلکہ وہ یہی کہا کرتا ہے کہ "روٹی ٹک" کی بڑی تکلیف ہے، کہیں رشتہ ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے۔ شہوانی ضرورت کا وہ نام تک نہیں لیتا۔ پس جبکہ ہمارے ملک میں شادی کی ہی اس لئے جاتی ہے کہ روٹی ٹک کی تکلیف نہ ہو تو کیا بڈھوں کو روٹی ٹک کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اگر ہم غور سے کام لیں تو بڈھے کو تو روٹی ٹک کی زیادہ تکلیف ہوتی ہے کیونکہ وہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ اس کے لئے ایسے نرم نرم پُھلکے پکیں جو آسانی سے حلق سے نیچے اتر جائیں۔ اسی طرح وہ کبھی حلوہ چاہتا ہے اور کبھی کھچڑی اور خُشکا اور اسے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ گھر میں کوئی روٹی پکانے والی ہو۔ پس یہ ایسی احمقانہ بات تھی کہ جب میرے پاس پہنچی تو میں نے اسے نہایت ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ بے شک اگر کوئی بڈھا کسی لڑکی پر دباؤ ڈال کر جبراً اس سے شادی کرتا ہے تو یہ قابلِ اعتراض امر ہے لیکن اگر ایک عورت یہ سمجھتی ہے کہ وہ ایک بڈھے آدمی کے ساتھ آسانی سے گذارہ کر سکے گی تو اس سے زیادہ کمینہ اور کون شخص ہو سکتا ہے جو یہ کہے کہ بڈھے کو شادی کی کیا ضرورت ہے؟ یہ عورت کا کام ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ وہ ایک بڈھے کے ساتھ گذارہ کر سکتی ہے یا نہیں اور اگر وہ اس بات کا فیصلہ کر لیتی ہے کہ وہ بڈھے کے ساتھ گذارہ کر سکتی ہے تو اسے شادی سے روکنا نہ صرف حماقت ہو گی بلکہ لوگوں میں بداخلاقی اور بے دینی پیدا کرنے

والی بات ہو گی۔ اول تو یہ بات ہی غلط ہے کہ تمام بڈھے شہوانی قوتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ میں بیسیوں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو اٹھارہ اٹھارہ انیس انیس سال کی عمر کے ہیں مگر ان میں قطعاً شہوانی قوت نہیں اور میں بیسیوں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو سترّ سترّ یا اسّی اسّی سال کے ہیں اور ان کے شہوانی قویٰ نوجوانوں جیسے ہیں یا اچھے خاصے ہیں۔ میں نے طب پڑھی ہوئی ہے اور چونکہ کئی دوست مجھ سے طبی مشورہ لیتے رہتے ہیں اس لئے ایسے حالات میرے سامنے آتے رہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بعض آدمی بظاہر بڑے مضبوط نوجوان دکھائی دیتے ہیں مگر طاقتِ مردمی ان میں بالکل نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ ایسے آدمی شکل و صورت سے بھی پہچانے جاتے ہیں مگر بعض دفعہ خود ہم بھی ان کی صورت کو دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں اور جب وہ بتاتے ہیں کہ ان میں ایسی کمزوری پائی جاتی ہے تو حیرت آتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں کئی ایسے بڈھے ہوتے ہیں جو لاٹھی کے سہارے چلتے ہیں مگر ان کے شہوانی قویٰ خوب مضبوط ہوتے ہیں اور ان کے بچے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ پس یہ بالکل غلط خیال ہے کہ شہوانی قویٰ بڈھوں میں نہیں ہوتے بلکہ دنیا میں بعض امراض ایسے ہیں جن کے نتیجہ کے طور پر بڑھاپے میں انسان کے اندر شہوت بڑھ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ فیصلہ کر دینا کہ بڈھوں کو شادی نہیں کرنی چاہیے انہیں بداخلاقی اور گناہ کے گڑھے میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ جو شخص تقویٰ شعار ہے وہ تو گذارہ کر لے گا مگر جس کے اندر تقویٰ کم ہو گا وہ ناجائز رنگ میں اپنی شہوات کو پورا کرے گا اور اس طرح نہ صرف اس کو بلکہ تمام قوم کو نقصان پہنچے گا۔ پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ خالی شہوانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہی شادی نہیں کی جاتی بلکہ اس لئے شادی کی جاتی ہے کہ ہر انسان کو ایک مونس و غمگسار کی ضرورت ہوتی ہے یا پنجابی محاورہ کے مطابق روٹی ٹک کے لئے انسان شادی کرتا ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس کی احتیاج جوانی میں ہی نہیں بلکہ بڑھاپے میں بھی ہوتی ہے۔ پس میں نے لوگوں کی ان باتوں کو نہایت ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور میں نے کہا کہ اگر ہماری جماعت میں ایسی عورتیں موجود ہیں جو بڈھوں کے ساتھ گذارہ کر سکتی ہیں تو ہمیں تو خدا تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیئے کہ ان کو جس چیز کی ضرورت تھی اس کو خدا نے خود اپنے فضل سے پورا کر دیا نہ یہ کہ الٹا ہم ناراض ہوں اور ان کے رستے میں روڑے

اٹکائیں۔ پس جہاں ان کے راستہ میں لوگوں کی طرف سے رکاوٹیں ڈالی گئیں انہیں میں نے نہایت ہی ناپسند کیا۔ وہاں میں نے اس بات پر بھی نہایت بُرا منایا کہ کوئی نوجوان لڑکی کسی بڈھے سے شادی کرکے اپنے آپ کو عائشہ قرار دے لے کیونکہ عائشہؓ اس وجہ سے عائشہؓ نہیں کہ انہوں نے محمد ﷺ سے شادی کی بلکہ اس وجہ سے عائشہؓ ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی امت سے فرمایا کہ تم آدھا دین عائشہؓ سے سیکھو۔ 5 ہم تو کسی کو عائشہؓ کہلانے سے نہیں روک سکتے۔ اگر کوئی عورت ہمیں عائشہؓ کی طرح آدھا دین سکھا دے تو ہم تو سارا دن اسے عائشہؓ، عائشہؓ کہتے رہیں گے لیکن جب کسی کو دین کی واقفیت نہ ہو اور نہ یہ رتبہ اور مقام اسے حاصل ہو اور پھر وہ عائشہؓ سے اپنی نسبت قرار دے دے تو یہ عائشہ کی ہتک تو کیا ہوگی البتہ اس بات کا ایک ثبوت ہو گا کہ ایسے معاملات میں نہایت دیدہ دلیری سے بات کی جاتی ہے درحقیقت ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں جن سے دشمن کو بعض دفعہ سلسلہ پر اعتراض کرنے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے اور خود بھی انسانی قلب پر زنگ لگ جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک دوست کی کسی دوسرے دوست سے کسی مسئلہ پر بحث ہوئی۔ باتوں باتوں میں وہ نہایت جوش سے کہنے لگے کہ میں نے اپنی تمام زندگی تمہارے اندر گزاری ہے کیا تم مجھ پر کوئی بھی الزام لگا سکتے ہو؟ یہ حضرت خلیفہ اول کے زمانہ کی بات ہے۔ میں نے جب یہ بات سنی تو میں نے انہیں کہا کہ یہ معیار تو محمد ﷺ کی صداقت کا خدا تعالیٰ نے پیش کیا ہے کیونکہ آپ کی تمام زندگی لوگوں کے سامنے گزری تھی اور انہیں معلوم تھا کہ آپ کیا کیا کرتے تھے مگر تمہاری زندگی کا کتنے لوگ مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ تمہارے تو شاید ہمسائے بھی نہیں جانتے ہوں گے کہ تم کیسی زندگی بسر کرتے ہو؟ پس جبکہ تمہاری زندگی کا آج تک کسی نے مطالعہ ہی نہیں کیا تو تم لوگوں کو کس طرح چیلنج دے سکتے ہو کہ میں نے اپنی زندگی تم میں گزاری ہے کیا تم کوئی الزام مجھ پر لگا سکتے ہو؟ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے ایک پردہ کے پیچھے بیٹھا ہوا انسان کہنا شروع کر دے کہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں کالا ہوں۔ اب ہمیں کیا معلوم کہ وہ کالا ہے یا گورا ہے۔ وہ پردہ سے نکلے تو اس کے متعلق کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح جس شخص کی زندگی تاریکی کے پردوں میں چھپی ہوئی ہو وہ یہ دعویٰ کس طرح کر سکتا

ہے کہ مجھ پر کوئی شخص الزام عائد نہیں کر سکتا۔ اس کے مقابلہ میں رسول کریم ﷺ کی زندگی پبلک زندگی تھی اور آپ اس بات کا حق رکھتے تھے کہ لوگوں کو چیلنج کریں کہ تم میں سے کوئی مجھ پر الزام عائد نہیں کر سکتا۔ تو یہ غلو ہے جس سے عزت نہیں بڑھتی بلکہ دشمن کو خواہ مخواہ ہنسی کا موقع ملتا ہے۔ اگر کوئی عائشہؓ بننا چاہتی ہے تو وہ عائشہؓ کی طرح ہمیں آدھا دین سکھا دے۔ جس دن ہماری جماعت میں کوئی ایسی عورت پیدا ہو جائے گی جو ہم کو اسی طرح پڑھانے کے لئے تیار ہو جائے گی جس طرح عائشہؓ نے ابو بکرؓ کو پڑھایا، جس طرح عائشہؓ نے عمرؓ کو پڑھایا، جس طرح عائشہؓ نے عثمانؓ کو پڑھایا، جس طرح عائشہؓ نے علیؓ کو پڑھایا اور جب کوئی ایسی عورت پیدا ہو جائے گی جو خود مجھے آکر دین سکھا سکے گی اس دن میں اس کے متعلق کہہ دوں گا کہ وہ عائشہؓ ہے۔ آخر جب قرآن کہتا ہے کہ اے لوگو! تم محمد ﷺ کی نقل کرو یہاں تک کہ تم محمد ﷺ کا کامل نمونہ بن جاؤ تو ہمارے لئے اس میں کون سی حرج کی بات ہے کہ ہم اپنی عورتوں سے کہیں کہ تم عائشہؓ بنو اور جب کوئی عائشہؓ بن کر دکھا دے تو اسے کہہ دیں کہ وہ عائشہؓ کی طرح ہو گئی۔ لیکن دین کے متعلق تو کوئی واقفیت نہ ہو اور محض ایک بڈھے سے شادی کر کے اپنے آپ کو عائشہؓ قرار دے لیا جائے یہ دین سے تمسخر اور استہزاء ہے۔ پھر بڈھے سے کسی نوجوان لڑکی کا شادی کرنا کوئی ایسی بات بھی نہیں جس کی دنیا میں مثال نہ ملتی ہو۔ موجودہ زمانہ میں ہی دنیا میں ہزاروں ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اور گزشتہ تیرہ سو سال میں تو اس کی لاکھوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ قریب کی مثالوں میں سے مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کی مثال ہے۔ ان کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ وہ بڑھاپے تک شادیاں کرتے چلے گئے تھے یہاں تک کہ حضرت خلیفہ اول ہنس کر فرمایا کرتے تھے کہ وفات سے تین چار دن پہلے انہوں نے اپنے بعض شاگردوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں تم میری کوئی اور شادی کرا دو تا کہ سنت نبوی پر عمل ہو جائے۔ ان کے پاس دنیا نہیں تھی صرف دین تھا اور لوگ اسی وجہ سے اپنی لڑکیاں ان سے شادی کے لئے پیش کر دیا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی شادی بھی اسی قسم کی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر پچاس سال سے زائد تھی اور ہماری والدہ بہت چھوٹی عمر کی تھیں۔ دلّی والے تو شہروں میں بھی بڑی عمر کے

مردوں سے اپنی لڑکیوں کو نہیں بیاہتے سوائے اس کے کہ وہ بہت مالدار ہوں اور گاؤں کے رہنے والوں سے تو شادی کرتے ہی نہیں مگر پھر بھی یہ شادی ہو گئی۔ اسی طرح اور بھی کئی مثالیں مل سکتی ہیں اور تیرہ سو سال میں تو یقیناً ایسی لاکھوں مثالیں موجود ہوں گی مگر ان لاکھوں میں سے کوئی بھی عائشہؓ نہیں کہلا سکتی کیونکہ عائشہؓ ان قربانیوں کی وجہ سے عائشہؓ بنی تھی جو اس نے دین کے سیکھنے اور دوسروں کو سکھانے کے لئے کیں اور وہ عائشہؓ اس وجہ سے کہلائی کہ امت محمدیہ نے اس سے نصف دین سیکھا۔ کیا ہی وہ سمجھ دار عورت تھی اور کیسا شاندار اس کا بلند علمی مقام تھا کہ حضرت جعفرؓ کی شہادت پر جب رسول کریم ﷺ نے ایک درد کی حالت میں فرمایا کہ جعفرؓ پر تو رونے والا بھی کوئی نہیں تو صحابہؓ اپنے اپنے گھروں کو گئے اور انہوں نے عورتوں سے کہا کہ اپنے مُردوں پر رونا چھوڑو اور جعفرؓ کے گھر جا کر روؤ کیونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جعفرؓ پر تو رونے والا بھی کوئی نہیں۔ اس پر مدینہ کی تمام عورتیں جعفر کے گھر اکٹھی ہو گئیں اور انہوں نے بَین ڈالنے شروع کر دیے۔ رسول کریم ﷺ نے سنا تو فرمایا کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا آپؐ نے جو فرمایا تھا کہ جعفرؓ پر رونے والا بھی کوئی نہیں ہم نے اپنی عورتوں کو جعفرؓ کے گھر بھیج دیا ہے اور سب مل کر رو رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ اور ان کو روکو میرا اس سے یہ منشاء نہیں تھا۔ ایک صحابی گیا اور اس نے ان عورتوں کو رونے سے منع کیا مگر وہ کب رکنے والی تھیں۔ انہوں نے کہا تم ہمیں کون منع کرنے والے آئے ہو؟ رسول کریم ﷺ نے خود یہ فرمایا ہے کہ جعفرؓ پر تو رونے والا بھی کوئی نہیں۔ اس نے جب دیکھا کہ وہ کسی طرح خاموش ہونے میں نہیں آتیں تو وہ پھر رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یَا رَسُوْلَ اللہ وہ تو خاموش نہیں ہوتیں۔ آپؐ نے فرمایا ڈالو ان کے مونہوں پر مٹی۔ مطلب یہ تھا کہ تم انہیں ان کے حال پر رہنے دو۔ وہ خود ہی رو دھو کر خاموش ہو جائیں گی مگر اس صحابی نے اپنی جھولی میں مٹی بھر لی اور جا کر ان عورتوں کے مُنہ پر ڈالنا شروع کر دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہؤا تو آپ نے اسے سختی سے روکا اور فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم ان عورتوں کے مُنہ پر مٹی ڈال رہے ہو۔ اس نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان کے مُنہ پر مٹی ڈالو۔ آپؓ نے فرمایا تم نے رسول کریم ﷺ کا مطلب نہیں سمجھا۔ آپؐ کا تو یہ مطلب ہے

کہ اس بات کو جانے دو۔ خود ہی خاموش ہو جائیں گی مگر تم نے مٹی ڈالنی شروع کر دی ہے۔ 6 پھر عائشہؓ وہ تھی جس نے تیرہ سو سال کے علماء کو یہ کہہ کر شکست دی کہ قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ 7 بے شک تم رسول کریم ﷺ کو خاتم النبیین کہو مگر یہ مت کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔۔۔۔"

(از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

---

1 النساء: 60

2 وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔(النساء:84)

3 بخاری کتاب الصیام باب یقاتل من وراء الامام ویتقی به

4 بخاری کتاب الطلاق باب شفاعة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی زوج بریرة

5 البدایة والنهایة لابن کثیر جز 3 صفحه 129 الطبعة الاولٰی 1996 مطبع مکتبة المعارف بیروت لبنان

6 سنن ابن ماجه کتاب الجنائز باب ما جاء فی البکاء علی المیت

7 در منثور جلد 5 صفحه 386 الطبعة الاولٰی 1990 مطبع دار الکتب العلمیة بیروت لبنان